***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.23613020

A Critical Analysis of the Differing Views of Ahl al-Sunnah and Ahl al-Shia Regarding Ta'dil al-Rawi

تعدیلِ راوی سے متعلق اہلِ تسنن اور اہلِ تشیع کی مختلف فیہ آراء کا جائزہ

Muhammad Akram
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies and Arabic, Gomal University Dera Ismail Khan
Email: akramgri@gmail.com
Dr. Hafiz Abdul Majeed
Associate Professor, Department of Islamic Studies and Arabic, Gomal University Dera Ismail Khan
Email: drhafizabdulmajed@gmail.com

ABSTRACT
This study presents a comparative analysis of Hadith narrator criticism (Jarh wa Ta'dil) between Sunni and Shia traditions. While both schools consider narrator evaluation essential for determining Hadith authenticity, they differ significantly in their theoretical and practical applications. These divergences arise from distinct biographical sources, methodological frameworks, and theological priorities, particularly regarding the definitions of narrator integrity ('Adalah), the acceptability of disconnected chains (Marasil), and the impact of dissimulation (Taqiyyah) or sectarian innovations (Bid'ah).
By examining foundational biographical texts from key scholars of both traditions, the research demonstrates how doctrinal premises directly influence critical evaluation standards. Sunni methodology prioritizes individual honesty, memory precision, and chain continuity regardless of theological affiliation, provided the narrator does not actively preach innovation. Conversely, Shia methodology frequently incorporates allegiance to Imami creed and proximity to the Ahl al-Bayt as primary criteria for credibility. Ultimately, the findings confirm that underlying theological commitments fundamentally shape the mechanisms of narrator acceptance and rejection across both paradigms.
Key words: *Hadith, Adalah, Sunni-Shia, Divergence, Authenticity*

اس مقالہ میں تعدیلِ راوی کے حوالے سے جن اُصول میں اہل تسنن اور اہل تشیع کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ان کا تحقیقی و تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ دونوں مکاتبِ فکر میں بعض اصول مشترک ہیں، لیکن چند اُمور میں بنیادی نوعیت کے نظریاتی اور منہجی اختلافات بھی موجود ہیں۔

علمِ جرح و تعدیل محدثین کے ہاں ایک مسلمہ اُصول ہے جس کے ذریعے حدیث کے راویوں کی ثقاہت اور عدالت کا تعین کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اہل تسنن اور اہل تشیع اس علم کی بنیادی اہمیت پر متفق ہیں، تاہم بعض اصولوں کی تفہیم اور ان کی تطبیق میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف کی کئی وجوہات ہیں جن میں حدیثی مآخذ، رجالی منہج اور عقائدی ترجیحات شامل ہیں:

الف: اصولِ جرح و تعدیل میں اختلاف کے اسباب

(1) عقائد اور مذہبی پس منظر کا اثر

اہل تسنن کے ہاں جرح و تعدیل میں عقیدہ ایک حد تک اہمیت رکھتا ہے، لیکن اہل تشیع کے ہاں یہ مسئلہ زیادہ حساسیت کا حامل ہے۔ بعض اوقات کسی راوی کے عقیدے کی بنا پر اسے ثقہ یا ضعیف قرار دیا جاتا ہے، جو دونوں مکاتب کے رجالی اصولوں میں فرق کا باعث بنتا ہے۔

(2) رجال کی کتب اور ان کا دائرہ کار

اہل تسنن کے ہاں حدیثی رجال کی بنیادی کتب میں "الجرح والتعدیل" (ابن ابی حاتم)، "تہذیب الکمال" (مزی)، اور "تقریب التہذیب" (ابن حجر) شامل ہیں، جبکہ اہل تشیع کے ہاں "رجال نجاشی" ، "الفہرست" (شیخ طوسی) اور "تنقیح المقال" (مامقانی) بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

(3) حدیث کی قبولیت کے اصولوں میں اختلاف

اہل تسنن کے ہاں **حدیثِ صحیح، حسن، ضعیف، اور موضوع** کی درجہ بندی عام ہے۔ اہل تشیع میں حدیث کو **صحیح، موثق، حسن، اور ضعیف** کے درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے، جس میں راوی کے مذہبی عقیدے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

ب: اہل تسنن اور اہل تشیع کے مختلف فیہ اُصولِ جرح

(1) عدالت کے مفہوم میں اختلاف

اہل تسنن اور اہل تشیع دونوں راوی کی عدالت (دیانت و تقویٰ) کو بنیادی شرط مانتے ہیں، لیکن اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔

امام نووی (676ھ) عدالت کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"العدل هو من كان مسلماً، بالغاً، عاقلاً، غير فاسق وغير مخل بالمروءة[1]"

اسی طرح **اہل تشیع** کے ہاں شیخ طوسی (460ھ) عدالت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"العدالة هي اجتناب الكبائر وعدم الإصرار على الصغائر، مع الالتزام بالحق وأصول المذهب[2]"

اہل تشیع کے ہاں عدالت کے لیے صرف گناہوں سے اجتناب کافی نہیں، بلکہ امامیہ عقائد کا پابند ہونا بھی ضروری ہے، جو اہل تسنن کے اصول سے مختلف ہے۔

(2) شیعہ راویوں کی توثیق اور جرح میں اختلاف

اہل تسنن کے ہاں اکثر شیعہ راویوں کو ضعیف قرار دیا گیا، جبکہ اہل تشیع کے ہاں وہی راوی ثقہ سمجھے جاتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی (852ھ) فرماتے ہیں: "الرواية عن المبتدع مقبولة إذا لم يكن داعياً لبدعته[3]"

یعنی اگر کوئی **شیعہ راوی** اپنی بدعت کی تبلیغ نہ کرے تو اس کی روایت قبول کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اہل تشیع کے ہاں علامہ مامقانی (1351ھ) لکھتے ہیں:

---

[1]۔ النووی، یحیٰ بن شرف، التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر النذیر، دار الخیر، دمشق، 1412ھ، ص: 5۔

[2]۔ الطوسی، أبي جعفر محمد بن الحسن (م: 460 ھ)، العدة فی أصول الفقه، المطبعة، ستارة، قم 1376ھ، ج 1، ص 272۔

[3]۔ ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي بن محمد (م: 852ھ)، نزهة النظر، مطبعة سفير، الرياض 1422ھ، ص 68۔

"الراوي إذا كان إمامياً فهو ثقة، ما لم يثبت فسقه أو كذبه[4]"

یہاں اہل تشیع نے راوی کی ثقاہت کو اس کے شیعہ ہونے کے ساتھ مشروط کیا ہے، جو اہل سنت کے اصول سے مختلف ہے۔

(3) مراسیل اور منقطع روایات کی قبولیت

اہل تسنن اور اہل تشیع کے محدثین منقطع اور مرسل روایات کی قبولیت میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔

امام شافعی (204ھ) مراسیل کے بارے میں لکھتے ہیں: "مرسل الحديث ضعيف إلا إذا ثبت اتصاله بقرينة أخرى[5]"

اسی طرح **اہل تشیع** کے ہاں شیخ طوسی (460ھ) مرسل روایت کو قبول کرنے کے قائل ہیں، اگر وہ کسی ثقہ راوی سے نقل ہو: "المراسيل حجة إذا كانت عن ثقة[6]"

یہاں اہل تشیع کے ہاں مرسل روایت کو قبول کرنے کا رجحان زیادہ ہے۔

(4) راوی کی بدعت کا اثر

اہل تسنن اور اہل تشیع کے ہاں راوی کی بدعت (فرقہ وارانہ نظریات) کا حدیث پر اثر مختلف سمجھا جاتا ہے۔

امام مسلم (261ھ) فرماتے ہیں: "يُردُّ حديث المبتدع إذا كان داعياً لبدعته[7]"

اسی طرح **اہل تشیع** کے ہاں سید بحر العلوم (1212ھ) لکھتے ہیں: "المخالف إذا روى ما يؤيد مذهبنا، أخذنا به[8]"

یہ اصول واضح کرتا ہے کہ اہل سنت بدعتی راویوں کی روایات کو زیادہ سختی سے جانچتے ہیں، جبکہ اہل تشیع میں ان کی روایات کو مخصوص شرائط کے تحت قبول کیا جاتا ہے۔

(5) راوی کی توثیق میں "تساھل" (نرمی) اور "تشدد" (سختی) کا فرق

اہل تسنن کے بعض محدثین جرح وتعدیل میں نسبتاً سختی برتتے ہیں، جبکہ بعض نسبتاً نرمی اختیار کرتے ہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی (852ھ) نے بعض محدثین کے رویے کو یوں بیان کیا:

"منهم المتشدد في الجرح كابن حبان، ومنهم من يتساهل في التوثيق كالترمذي[9]"

یعنی بعض محدثین جیسے ابن حبان جرح میں سختی کرتے ہیں، جبکہ بعض جیسے ترمذی نسبتاً نرم رویہ رکھتے ہیں۔

جب کہ **اہل تشیع** کے ہاں عموماً توثیق میں نرمی برتی جاتی ہے، خاص طور پر اگر راوی امامیہ مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔

علامہ مامقانی (1351ھ) لکھتے ہیں: "إذا كان الراوي إمامياً، فلا يضرّه عدم التصريح بوثاقته[10]"

یہ اصول اہل تسنن کے سخت معیار سے مختلف ہے، کیونکہ اہل تشیع میں شیعہ راوی کو عام طور پر ثقہ مانا جاتا ہے، جبکہ اہل سنت ہر راوی کی انفرادی حیثیت کو پرکھتے ہیں۔

(6) کذاب (جھوٹا) راوی کی روایات کا حکم

اگر کسی راوی کو جھوٹا ثابت کر دیا جائے، تو **اہل سنت** کے ہاں اس کی تمام روایات ناقابلِ قبول ہو جاتی ہیں۔

---

[4]۔المامقانی، عبد الله بن محمد حسن، تنقيح المقال في علم الرجال۔ (النجف: المطبعة المرتضوية، 1350ھ)، ج 1، ص 145۔

[5]۔الشافعي، محمد بن ادریس (م: 204ھ)، الرسالة، (مكتبة الحلبي، مصر 1358ھ)، ص 371۔

[6]۔الطوسي ، العدة في أصول الفقه، ج 1، ص 268۔

[7]۔ القشيري، مسلم بن حجاج (م:)، مقدمة صحيح مسلم، (**دار إحياء التراث العربي، بيروت**)، ص 13۔

[8]۔ **الطباطبائي**، العلامة السيد **محمد مهدي بحر العلوم** (م: 1212 ھ)، الفوائد الرجالية، (منشورات مكتبة الصادق، طهران)، ج 2، ص 305۔

[9]۔ ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی، لسان المیزان، (دارالفکر، بیروت، 1416ھ) ج 1، ص 13۔

[10]۔المامقانی، تنقیح المقال، ج 1، ص 207۔

امام ابن معین(233ھ)فرماتے ہیں: "من ثبت كذبه، فلا تحل الرواية عنه[11]"

اور **اہل تشیع** میں اگر کذاب راوی کوئی ایسی روایت نقل کرے جو شیعہ عقائد کی تائید کرتی ہو، تو بعض اوقات اسے قرائن کی بنا پر قبول کر لیا جاتا ہے۔

سید بحر العلوم(1212ھ)لکھتے ہیں:

"الراوي الكذاب إذا روى ما يوافق مذهبنا، نأخذ به إذا لم يكن فيه معارضة لأصولنا[12]"

یہ اصول اہل تسنن کے سخت موقف سے مختلف ہے، کیونکہ اہل سنت کے ہاں جھوٹے راوی کی کوئی بھی روایت قبول نہیں کی جاتی، جبکہ اہل تشیع میں اس کی روایت بعض شرائط کے ساتھ قابلِ غور ہو سکتی ہے۔

(7) راوی کی روایت کے قبول کرنے میں "تشیع" اور "نصب" کا اثر

اگر کوئی راوی شیعہ یا رافضی ہو، تو **اہل سنت** کے محدثین اس کی روایات کو قبول کرنے میں زیادہ سختی کرتے ہیں، خاص طور پر اگر وہ شیعہ عقائد کی تبلیغ کرتا ہو۔

امام بخاری(256ھ)فرماتے ہیں: "لا يقبل حديث الرافضي الداعي لبدعته[13]"

اسی طرح **اہل تشیع** کے ہاں اگر کوئی راوی ناصبی (اہل بیت کا دشمن) ہو، تو عام طور پر اس کی روایات رد کر دی جاتی ہیں۔

علامہ خوئی(1413ھ)فرماتے ہیں: "الناصبي لا تقبل روايته، لأنّه عدوّ لأهل البيت[14]"

یہ اصول دونوں مکاتب کے اعتقادی رجحانات کے اثرات کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ دونوں طرف ایسے راویوں کو کمزور شمار کیا جاتا ہے جو دوسرے فریق کے مذہبی عقائد کے مخالف ہوں۔

(8) راوی کی "کثرتِ روایت" اور ثقاہت کے درمیان تعلق

اہل تسنن کے ہاں اگر کوئی راوی بہت زیادہ روایات نقل کرے، تو اسے مشکوک سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ بہت زیادہ روایت کرنا بعض اوقات اختلاط یا ضعفِ ضبط کی علامت ہوتی ہے۔

امام مسلم(261ھ)فرماتے ہیں: "كثرة الحديث تدعو إلى الريبة، إلا إذا كان الراوي حافظاً متقناً[15]"

اہل تشیع میں اگر کوئی راوی بہت زیادہ روایت کرے، تو بعض اوقات یہ اس کے ثقہ ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

علامہ نجاشی(450ھ)فرماتے ہیں: "كثرة الرواية تدل على ثقة الراوي وضبطه[16]"

یہاں ایک واضح فرق پایا جاتا ہے، کیونکہ اہل سنت میں کثرتِ روایت بعض اوقات ضعف کی نشانی ہوتی ہے، جبکہ اہل تشیع میں اسے ضبط کی دلیل سمجھا جا سکتا ہے۔

(9) متہم بالکذب (جھوٹا سمجھا جانے والا راوی) کی روایت کا حکم

اہل تسنن کے ہاں اگر کسی راوی پر جھوٹ بولنے کا الزام ہو لیکن یہ الزام قطعی طور پر ثابت نہ ہو، تو اس کی روایت کو مختلف درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی(852ھ)فرماتے ہیں:

---

[11]- التميمى، ابن أبى حاتم، عبدالرحمن بن محمد، الجرح والتعديل، (دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد دكن، 1271ھ)، ج 2، ص 35۔

[12]-الفضلى، الفوائد الرجالية، ج 2، ص 310۔

[13]-البخارى، محمد بن إسماعيل، التاريخ الكبير -(حيدر آباد الدكن: دائرة المعارف العثمانية، 1940ء)، ج 3، ص 35۔

[14]-الخوئى، أبو القاسم، معجم رجال الحديث۔ (قم: مركز نشر المدرسين، 1413ھ)، ج 2، ص 102۔

[15]- القشيري، مسلم بن الحجاج، مقدمة صحيح مسلم، ص 15۔

[16]-النجاشى، أحمد بن على، رجال النجاشي۔ (قم: مؤسسة النشر الإسلامي، 1416ھ)، ص 53۔

"إذا اتُّهم الراوي بالكذب، فلا تُقبل روايته إلا أن يأتي بقرائن تدل على صدقه[17]"

یعنی اگر کسی راوی پر جھوٹ کا الزام ہو لیکن قوی قرائن اس کی سچائی کو ثابت کریں، تو اس کی روایت قبول کی جاسکتی ہے۔

جبکہ **اہل تشیع** کے رجالی اصولوں میں بعض اوقات متہم بالکذب راوی کی روایت کو محض اس کے جھوٹے ہونے کے امکان پر رد نہیں کیا جاتا، بلکہ دیگر شواہد کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

سید بحر العلوم (1212ھ) لکھتے ہیں:

"إذا كان الراوي متّهماً بالكذب، فإن كان إمامياً، فلا يُترك حديثه إلا إذا ثبت كذبه بالدليل القاطع[18]"

یعنی اگر راوی شیعہ ہو تو اس پر جھوٹ کا الزام ہونے کے باوجود اس کی روایت مکمل طور پر رد نہیں کی جاتی، جب تک اس کا جھوٹ ثابت نہ ہو۔ یہ اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ اہل سنت میں جھوٹ کے شبہ پر بھی راوی کو ضعیف قرار دیا جاسکتا ہے، جبکہ اہل تشیع میں اس پر مزید تحقیق کی جاتی ہے۔

(10) راوی کی غلو (مبالغہ آرائی) میں ملوث ہونے کا اثر

اگر کوئی راوی حدیث میں مبالغہ کرتا ہو یا غلو سے کام لے، تو **اہل تسنن** کے اصولوں کے مطابق اس کی روایت رد کر دی جاتی ہے۔

امام ذہبی (748ھ) فرماتے ہیں: "من كان معروفاً بالغلو في الرواية، فلا يقبل حديثه[19]"

جبکہ **اہل تشیع** میں اگرچہ بعض محدثین غلو کرنے والے راویوں کی روایت کو رد کرتے ہیں، لیکن بعض صورتوں میں ان کی روایت کو مخصوص شرائط کے تحت قبول کیا جاسکتا ہے۔

علامہ خوئی (1413ھ) فرماتے ہیں: "الغالي إذا لم يأت بما يخالف ضروريات الدين، يمكن قبول روايته مع التحفظ[20]"

یہاں اہل تسنن کا اصول سخت ہے، جبکہ اہل تشیع میں غلو کے معاملے میں نرمی کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ راوی بنیادی عقائد کے خلاف کچھ نہ کہے۔

(11) مجہول الحال (نامعلوم حیثیت والے راوی) کی روایت کا حکم

اہل تسنن کے ہاں ایسے راوی جو غیر معروف ہوں اور جن کی توثیق یا تضعیف کسی معتبر ناقد نے نہ کی ہو، ان کی روایت ناقابلِ قبول سمجھی جاتی ہے۔

امام ابن عدی (365ھ) لکھتے ہیں: "المجهول لا يُقبل حديثه حتى يُوثّقه أحد الأئمة[21]"

جبکہ **اہل تشیع** میں اگرچہ عام طور پر مجہول الحال راوی کو ضعیف سمجھا جاتا ہے، لیکن بعض مواقع پر اس کی روایت قبول کی جاسکتی ہے، خاص طور پر اگر وہ کسی ثقہ راوی کے واسطے سے روایت کرے۔

علامہ مامقانی (1351ھ) لکھتے ہیں: "إذا كان الراوي مجهولاً، ولكنه يروي عن الثقات، فيمكن اعتبار حديثه[22]"

یہاں اہل تسنن زیادہ سختی برتتے ہیں، جبکہ اہل تشیع میں بعض اوقات راوی کی روایت کو دوسرے قرائن سے تقویت دی جاتی ہے۔

(12) راوی کا خود اپنی روایت کو بھول جانا

اگر کوئی راوی کسی روایت کو نقل کرنے کے بعد بھول جائے یا اس کا انکار کر دے، تو **اہل تسنن** کے ہاں اس کی روایت ناقابلِ قبول ہو جاتی ہے۔

امام دارقطنی (385ھ) فرماتے ہیں: "إذا أنكر الراوي حديثه، فلا يُحتجّ به[23]"

---

[17]۔ العسقلانی، ابن حجر، لسان المیزان، ج 2، ص 315۔

[18]۔ المامقانی، الفوائد الرجالیة، ج 3، ص 210۔

[19]۔ الذهبي، محمد بن أحمد، ميزان الاعتدال في نقد الرجال۔ (بيروت: دار المعرفة، 1382ھ)، ج 4، ص 192۔

[20]۔ الخوئی، أبو القاسم، معجم رجال الحديث، ج 5، ص 73۔

[21]۔ ابن عدی، عبد الله بن عدي الجرجاني، الكامل في ضعفاء الرجال۔ (بيروت: دار الفكر، 1409ھ)، ج 1، ص 180۔

[22]۔ المامقانی، تنقيح المقال في علم الرجال، ج 2، ص 275۔

[23]۔ الرازی، ابن أبی حاتم عبد الرحمٰن بن محمد، العلل۔ (الرياض: دار ابن الجوزي، 1427ھ)، ج 3، ص 162۔

جبکہ **اہل تشیع** میں اگر راوی اپنی روایت کو بھول جائے، تو بعض محدثین اس کی روایت کو دوسرے شواہد کی بنیاد پر قبول کرنے کے قائل ہیں۔

سید خوئی(1413ھ)لکھتے ہیں: "إنكار الراوي لحديثه لا يعني ضعفه، فقد يكون نسياناً[24]"

یہ اصول دونوں مکاتب میں مختلف ہے، کیونکہ اہل سنت میں راوی کی روایت کو اس کے انکار کی صورت میں رد کر دیا جاتا ہے، جبکہ اہل تشیع میں دیگر شواہد کی بنیاد پر اسے قابلِ قبول سمجھا جاسکتا ہے۔

(13) کثرتِ تفرد (منفرد روایات) کی حیثیت

اگر کوئی راوی بہت زیادہ منفرد روایات بیان کرے، تو **اہل تسنن** میں اسے شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، کیونکہ یہ ضعفِ ضبط یا جعل حدیث کی علامت ہو سکتی ہے۔

امام مسلم(261ھ)فرماتے ہیں: "التفرد الكثير يُورث الشك في الراوي[25]"

جبکہ **اہل تشیع** میں کسی راوی کے منفرد ہونے کو ہمیشہ اس کے ضعف کی علامت نہیں سمجھا جاتا، بلکہ بعض اوقات اسے اس راوی کے خاص علمی مقام کی نشانی بھی مانا جاسکتا ہے۔

علامہ نجاشی(450ھ)لکھتے ہیں: "تفرد الراوي لا يدل على ضعفه، بل قد يكون دليل ضبطه وإتقانه[26]"

یہاں اہل سنت زیادہ محتاط ہیں، جبکہ اہل تشیع بعض مواقع پر منفرد روایات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

(14) راوی کا "مبتدع" (بدعتی) ہونا

اہل تسنن میں بدعتی راوی کے بارے میں عمومی اصول یہ ہے کہ اگر وہ اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو، تو اس کی روایت مسترد کر دی جاتی ہے، لیکن اگر وہ اپنی بدعت پر عمل کرتا ہو مگر اس کی تبلیغ نہ کرتا ہو، تو اس کی روایت بعض شرائط کے ساتھ قبول کی جاسکتی ہے۔

امام نووی(676ھ)فرماتے ہیں: "إذا لم يكن داعية إلى بدعته، فحديثه مقبول إذا كان صدوقاً[27]"

جبکہ **اہل تشیع** میں بدعت کا مفہوم مختلف ہو سکتا ہے، اور عمومی رجحان یہ ہے کہ اگر راوی امامیہ مذہب سے منحرف ہو لیکن اس کی روایت موافق ہو، تو اس کی روایت کو رد نہیں کیا جاتا۔

علامہ خوئی(1413ھ)فرماتے ہیں: "المبتدع إذا كان ثقةً في حديثه، فليس في بدعته ما يمنع من قبول روايته[28]"

یہاں بنیادی فرق یہ ہے کہ اہل تسنن میں اگر بدعتی راوی تبلیغِ بدعت میں مشغول ہو، تو اس کی روایت مسترد کی جاتی ہے، جبکہ اہل تشیع میں ایسی شرط عمومی طور پر نہیں پائی جاتی۔

(15) راوی کا تقیہ کرنا

اہل تسنن میں اگر کسی راوی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ تقیہ کرتا تھا، تو اس کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جاتا، کیونکہ وہ اپنے حقیقی عقائد چھپا سکتا ہے۔

امام ذہبی(748ھ)فرماتے ہیں: "التقيّة مما يمنع من قبول الرواية، إذ لا يُعرف صدق الراوي في حديثه[29]"

---

[24]۔الخوئی، معجم رجال الحدیث، ج 8، ص 119۔

[25]۔القشيري، مسلم بن حجاج، مقدمة صحيح مسلم، ص 17۔

[26]۔النجاشی، رجال النجاشي، ص 94۔

[27]۔النووی، يحيى بن شرف، شرح صحيح مسلم۔ (بيروت: دار إحياء التراث العربي، بلا تاريخ)، ج 1، ص 131۔

[28]۔الخوئی، معجم رجال الحدیث، ج 3، ص 154۔

[29]۔الذہبی، میزان الاعتدال، ج 2، ص 312۔

جبکہ **اہل تشیع** میں تقیہ ایک شرعی اصول ہے، اور بعض اوقات اگر کسی راوی نے تقیہ کیا ہو، تو اس کی روایت کو اس کے سیاق وسباق کے مطابق پرکھا جاتا ہے، نہ کہ فوراً رد کر دیا جاتا ہے۔

شیخ طوسی (460ھ) فرماتے ہیں: "التقيّة لا تمنع من قبول الرواية، بل لا بد من النظر إلى القرائن المحيطة بها[30]"

یہاں بنیادی فرق یہ ہے کہ اہل سنت میں تقیہ کو روایت کے ضعف کا سبب سمجھا جاتا ہے، جبکہ اہل تشیع میں اسے شرعی حالات میں ایک ضروری عنصر مانا جاتا ہے۔

(16) راوی کا اہل بیت سے بغض رکھنا

اہل تسنن میں اگر کسی راوی پر اہل بیت سے بغض رکھنے کا الزام ہو لیکن وہ ثقہ اور صادق ہو، تو اس کی روایت کو بلا شرط رد نہیں کیا جاتا۔

امام ابن حجر عسقلانی (852ھ) فرماتے ہیں: "إذا ثبتت عدالة الناصبي، فلا يرد حديثه لمجرد النصب[31]"

جبکہ **اہل تشیع** میں جو راوی اہل بیت سے بغض رکھے، اس کی روایت کو عموماً ناقابل قبول قرار دیا جاتا ہے۔

علامہ مامقانی (1351ھ) لکھتے ہیں: "الناصبي لا يُقبل حديثه، لأنه عدوّ لأهل البيت[32]"

یہاں فرق یہ ہے کہ اہل سنت میں ثقاہت مقدم ہے، جبکہ اہل تشیع میں عقیدے کو بنیادی معیار کے طور پر لیا جاتا ہے۔

(17) راوی کے شاگردوں کی تعداد کا اثر

اہل تسنن کے رجالی منہج میں اگر کسی راوی کے بہت زیادہ شاگرد ہوں، تو یہ اس کی ثقاہت کی ایک دلیل سمجھی جاتی ہے۔

امام ابن معین (233ھ) فرماتے ہیں: "كثرة التلاميذ تدلّ على عدالة الراوي وضبطه[33]"

جبکہ **اہل تشیع** میں یہ اصول قطعی نہیں ہے، کیونکہ بعض اوقات راوی کے شاگردوں کی کثرت کو اس کی ثقاہت کی قطعی دلیل نہیں سمجھا جاتا۔

علامہ نجاشی (450ھ) فرماتے ہیں: "قد يكون للراوي تلاميذ كثيرون، لكن لا يعني ذلك أنه ثقة[34]"

یہاں فرق یہ ہے کہ اہل سنت میں شاگردوں کی تعداد ثقاہت کی ایک دلیل ہو سکتی ہے، جبکہ اہل تشیع میں اس کا زیادہ اثر نہیں ہے۔

(18) راوی کی قرابتِ اہل بیت کا اثر

اہل تسنن میں راوی کا اہل بیت سے قریبی تعلق رکھنا جرح وتعدیل کے لیے کوئی خاص معیار نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اصل معیار راوی کی دیانت داری، ضبط اور عدالت ہوتی ہے۔

امام ابن حبان (354ھ) فرماتے ہیں: "العدالة لا تثبت بمجرد النسب، بل لا بد من التحقق من ضبط الراوي[35]"

جبکہ **اہل تشیع** میں اگر کوئی راوی اہل بیت کے قریبی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، تو اس کی روایت کو زیادہ اعتماد کے ساتھ لیا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ قابلِ اعتماد ہو۔

شیخ طوسی (460ھ) فرماتے ہیں: "من كان من أهل البيت، فهو أصدق في حديثه إذا ثبتت عدالته[36]"

یہاں بنیادی فرق یہ ہے کہ اہل سنت میں نسب کو ثقاہت کی دلیل نہیں سمجھا جاتا، جبکہ اہل تشیع میں اہل بیت سے قربت بعض اوقات روایت کے قابلِ قبول ہونے میں مؤثر سمجھی جاتی ہے۔

---

[30]۔الطوسی، الفہرست، ص 198۔

[31]۔ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج 1، ص 102۔

[32]۔المامقانی، تنقیح المقال، ج 2، ص 315۔

[33]۔ ابن أبی حاتم، الجرح والتعدیل، ج 1، ص 130۔

[34]۔النجاشي، رجال النجاشي، ص 250۔

[35]۔ابن حبان، الثقات، ج 1، ص 15۔

[36]۔ الطوسی، محمد بن حسن، الفہرست، (مطبع عبدالعزیز طباطبائی، قم، 1420ھ)، ص 300۔

(19) راوی کے مذہب کا اثر

اہل تسنن میں اگر کوئی راوی معتزلی، مرجئ، خارجی، یا کسی اور فرقے سے تعلق رکھتا ہو لیکن صدوق اور ضابط ہو، تو اس کی روایت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی (852ھ) فرماتے ہیں: "إذا كان الراوي صدوقاً، فلا يضر اختلافه في المذهب[37]"

جبکہ **اہل تشیع** میں اگر راوی شیعہ مذہب کا پیروکار نہیں ہے، تو اس کی روایت کو قبول کرنے میں زیادہ احتیاط برتی جاتی ہے، خصوصاً اگر وہ اہل بیت کے مخالف نظریات رکھتا ہو۔

علامہ مامقانی (1351ھ) لکھتے ہیں: "إذا كان الراوي ناصبياً أو منحرفاً عن أهل البيت، فلا يؤخذ بروايته[38]"

یہاں اہل تسنن زیادہ روادار نظر آتے ہیں، جبکہ اہل تشیع میں مذہبی وابستگی روایت کے قبول یا رد میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

(20) حدیث میں اضطراب کا اثر

اگر کسی روایت میں اضطراب (یعنی ایک ہی روایت کے مختلف متضاد الفاظ) پایا جائے، تو **اہل سنت** کے اصولوں میں ایسی روایت کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔

امام دار قطنی (385ھ) فرماتے ہیں: "إذا كان الحديث مضطرباً اضطراباً فاحشاً، فإنه لا يحتجّ به[39]"

جبکہ **اہل تشیع** میں اضطراب والی روایت کو فوراً رد نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے مختلف طرق کو ملا کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سید خوئی (1413ھ) لکھتے ہیں: "الاضطراب لا يعني ضعف الحديث مطلقاً، بل لا بد من النظر إلى طرقه الأخرى[40]"

یہاں اہل تسنن میں سختی پائی جاتی ہے، جبکہ اہل تشیع میں اضطراب کو مکمل ضعف کی دلیل نہیں سمجھا جاتا۔

(21) راوی کے معروف یا غیر معروف ہونے کا اثر

اگر کسی راوی کو معاصر محدثین نے ذکر نہیں کیا اور اس کے بارے میں توثیق یا تضعیف کا کوئی بیان نہیں ملا، تو **اہل سنت** میں عمومی طور پر اس کی روایت کو ضعیف سمجھا جاتا ہے۔

امام ابن عدی (365ھ) فرماتے ہیں: "من لم يُعرف حاله بين المحدثين، فلا يُحتجّ بحديثه[41]"

جبکہ **اہل تشیع** میں بعض اوقات ایسے راویوں کی روایت کو دیگر قرائن سے تقویت دی جا سکتی ہے، خاص طور پر اگر وہ کسی معتبر راوی کے واسطے سے روایت کر رہا ہو۔

علامہ بحر العلوم (1212ھ) لکھتے ہیں: "الرواية عن مجهول إذا أيّدتها القرائن، فلا مانع من قبولها[42]"

یہاں اہل تسنن زیادہ سختی برتتے ہیں، جبکہ اہل تشیع میں قرائن کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

(22) غیر معصوم کی توثیق کا اثر

اہل تسنن میں راوی کی توثیق یا تضعیف محدثین کے اقوال کی بنیاد پر کی جاتی ہے، اور کسی فردِ واحد کی توثیق کو حتمی نہیں مانا جاتا۔

امام شافعی (204ھ) فرماتے ہیں: "لا تُقبل التوثيقات المطلقة حتى تشهد عليها القرائن[43]"

جبکہ **اہل تشیع** میں اگر کسی امام نے کسی راوی کو ثقہ قرار دیا ہو، تو وہ توثیق قطعی مانی جاتی ہے، کیونکہ امام معصوم کی بات میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔

---

[37]۔ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج 2، ص 95۔

[38]۔المامقانی، تنقیح المقال، ج 1، ص 103۔

[39]۔الشيباني، أحمد بن محمد بن حنبل، العلل والسؤالات، (مكتبة المعارف، الرياض 1409ھ)، ج 3، ص 276۔

[40]۔الخوئی، معجم رجال الحدیث، ج 4، ص 57۔

[41]۔ابن عدی، الكامل في ضعفاء الرجال، ج 1، ص 178۔

[42]۔ الطباطبائی ، الفوائد الرجالية، ج 3، ص 301۔

[43]۔الشافعی، الرسالة، ص 312۔

شیخ مفید(413ھ)فرماتے ہیں: "قول الإمام في توثيق الراوي حجة، لا يجوز مخالفته[44]"

یہاں اہل تسنن میں توثیق کے لیے دیگر قرائن بھی درکار ہوتے ہیں، جبکہ اہل تشیع میں امام کی توثیق کو قطعی حجت مانا جاتا ہے۔

(23) راوی کا کثرتِ روایت کرنا(الإكثار في الرواية)

اہل تسنن کے ہاں اگر کوئی راوی بہت زیادہ احادیث روایت کرے، تو اسے اس کے ضبط اور حافظے کے لحاظ سے جانچا جاتا ہے۔ اگر وہ ضابط ہو، تو کثرتِ روایت اس کی ثقاہت کے لیے نقصان دہ نہیں، بلکہ بعض اوقات اس کے علم کے پھیلاؤ کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

امام بخاری(256ھ)فرماتے ہیں: "كثرة الحديث ليست قدحاً في الراوي ما دام حافظاً ضابطاً[45]"

جبکہ **اہل تشیع** کے ہاں کثرتِ روایت بعض اوقات باعثِ تشویش سمجھی جاتی ہے، خاص طور پر اگر کوئی راوی بہت زیادہ روایات نقل کرے لیکن اس کی توثیق زیادہ نہ ملے۔

علامہ مامقانی(1351ھ)فرماتے ہیں: "إذا أكثر الراوي في الرواية دون توثيق كافٍ، وجب التوقف في شأنه[46]"

یہاں بنیادی فرق یہ ہے کہ اہل تسنن میں کثرتِ روایت کو بذاتِ خود کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا، جبکہ اہل تشیع میں اسے مزید تحقیق کا سبب بنایا جاتا ہے۔

(24) حدیث میں تدلیس کا اثر

اہل تسنن میں تدلیس کرنے والے راوی کی روایت تب ہی قبول کی جاتی ہے جب وہ تصریح بالسماع (یعنی "حدثنا" یا "سمعتُ" کہہ کر روایت کرے) کرے، ورنہ اس کی روایت ضعیف سمجھی جاتی ہے۔

امام ابن الصلاح(643ھ)فرماتے ہیں: "المُدلّس إذا لم يُصرّح بالسماع، فحديثه ضعيف[47]"

جبکہ **اہل تشیع** میں تدلیس کا معاملہ اہل سنت کے مقابلے میں زیادہ نرم ہے۔ اگر راوی امام سے روایت کر رہا ہو، تو عام طور پر اسے قبول کیا جاتا ہے، چاہے وہ تصریح بالسماع نہ کرے۔

علامہ خوئی(1413ھ)لکھتے ہیں: "التدليس لا يضرّ بالحديث إذا كان الراوي من أهل الصدق وكان معروفاً بالرواية عن الأئمة[48]"

یہاں اہل تسنن میں تدلیس کو روایت کے ضعف کی علامت سمجھا جاتا ہے، جبکہ اہل تشیع میں امام سے روایت کے سیاق میں اسے کمزور دلیل نہیں مانا جاتا۔

(25) راوی کا متہم بالکذب ہونا

اہل تسنن میں اگر کسی راوی پر جھوٹ بولنے کا الزام ہو، تو عام طور پر اس کی حدیث کو رد کر دیا جاتا ہے، چاہے وہ دین کے بارے میں جھوٹ نہ بولتا ہو۔

امام ابن حجر(852ھ)فرماتے ہیں: "من اتهم بالكذب، فلا يحتج بحديثه وإن لم يكذب في الحديث[49]"

جبکہ **اہل تشیع** میں اگر کسی راوی پر جھوٹ کا الزام ہو لیکن وہ امام سے صحیح حدیث نقل کرے، تو بعض اوقات اس کی روایت کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

علامہ بحر العلوم(1212ھ)لکھتے ہیں: "المتهم بالكذب إذا نقل عن الإمام نصّاً، فقد يكون حديثه مقبولاً[50]"

یہاں فرق یہ ہے کہ اہل تسنن میں جھوٹ کا الزام لگنے کے بعد راوی کی روایت مسترد کر دی جاتی ہے، جبکہ اہل تشیع میں بعض حالات میں اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

---

[44]۔ المفيد، محمد بن محمد النعمان، تصحيح الاعتقاد، (دار المفيد، بيروت، 1413ھ)، ص 89۔

[45]۔البخاری، التاريخ الكبير، ج 2، ص 81۔

[46]۔المامقانی، تنقيح المقال، ج 1، ص 112۔

[47]۔ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمٰن ، مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث۔ (بيروت: دار الفكر، 1986ء)، ص 34۔

[48]۔الخوئی، ابو القاسم بن علی، معجم رجال الحديث وتفصيل طبقات الرواة ۔(قم: مكتبة الإمام الخوئي، 1413ھ)، ج 5، ص 201۔

[49]۔ابن حجر العسقلانی، تهذيب التهذيب، ج 1، ص 19۔

[50]۔ الطباطبائی، الفوائد الرجالية، ج 2، ص 97۔

(26) راوی کی غیر مسلم ہونے کی سابقہ حیثیت

اہل تسنن میں اگر کوئی راوی پہلے غیر مسلم تھا لیکن اسلام قبول کر چکا ہو، تو اس کی روایت کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا، بشرطیکہ وہ ثقہ ہو۔

امام شافعی (204ھ) **فرماتے ہیں:** "الإسلام يُحبّ ما قبله، فإذا تاب الراوي من كفره، فحديثه مقبول[51]"

جبکہ **اہل تشیع** میں اگر کوئی شخص پہلے ناصبی یا مخالفِ اہل بیت تھا اور بعد میں شیعہ ہو گیا، تو اس کی روایت کو بعض اوقات مشکوک سمجھا جاتا ہے۔

علامہ نجاشی (450ھ) **لکھتے ہیں:** "إذا كان الراوي ناصبياً ثم تشيع، فلا بد من النظر في سبب تشيعه قبل قبول حديثه[52]"

نتائج:

اہل تسنن اور اہل تشیع کے جرح و تعدیل میں بنیادی اصولوں میں کئی اختلافات پائے جاتے ہیں۔

- **عقیدے اور توثیق کا تعلق :** اہلِ سنت کے ہاں راوی کی انفرادی دیانت، ضبط اور سند کا اتصال بنیادی اہمیت رکھتا ہے، جہاں عقیدے کا اختلاف یا بدعت (اگر داعی نہ ہو) مطلقاً جرح کا باعث نہیں بنتی۔ اس کے برعکس، اہلِ تشیع کے ہاں مکتبِ اہل بیت سے وابستگی اور امامیہ عقائد راوی کی ثقاہت اور توثیق میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔
- **اصولِ روایت و تطبیق کا فرق :** مراسیل، منقطع روایات، تدلیس، تقیہ اور غلو جیسے امور کی تطبیق میں دونوں مکاتبِ فکر کا رویہ مختلف ہے۔ جہاں اہلِ سنت سخت احتیاط اور انفرادی جانچ کے قائل ہیں، وہیں اہلِ تشیع قرائن، تقیہ کے شرعی تقاضوں اور مکاتبِ فکری مناسبت کی بنیاد پر نسبتاً وسعت یا مختلف ضابطے اپناتے ہیں۔
- **منہجی تنوع کا اثر :** رجالی کتب، توثیق و جرح کے معیارات (تشدد و تساہل)، اور جھوٹ یا غلو کے الزام کی زد میں آنے والے راویوں کی روایات کی قبولیت یا تردید کے حوالے سے دونوں مکاتب کے مابین جو فکری فاصلے پائے جاتے ہیں، وہ دراصل ان کے داخلی فقہی اور تاریخی تناظرات کا غماز ہیں۔

---

[51]-الشافعی، الرسالة، ص 420۔

[52]-النجاشی، رجال النجاشي، ص 290۔